جناب محمد یوسف گورایہ

علما اکیڈمی محکمۂ اوقاف پنجاب

اٹھارویں اور انیسویں صدی کا موڑ مشرق کے زوال اور مغرب کے عروج کا موڑ تھا۔ یورپی استعمار نے اسلامی دنیا پر سیاسی تسلط جمانے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے جو منصوبہ بندی کی تھی اس میں ائمہ، خطبا، علما، شیوخ اور قضاۃ کو خاص اہمیت دی گئی تھی۔ اقوام و ملل کی معاشرت و نفسیات کے مغربی ماہرین کی تحقیقات کی روشنی میں مغربی استعمار کو صاف نظر آرہا تھا کہ مسلمان سلاطین کے سیاسی اقتدار کے بعد مسلمان عوام کے اصل نمائندے، خطبائے مساجد اور علمائے مدارس تھے۔ جب تک اسلامی تہذیب و ثقافت کے یہ چشمے جاری رہتے، سلاطین سے اقتدار چھین لینے کے باوجود مسلمانوں پر تادیر حکمرانی کرنا ناممکن تھا۔ نپولین بونا پارٹ کے معاصر نامور مصری مورخ عبدالرحمٰن الجبرتی کا بیان جو انھوں نے اپنی چار جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب "عجائب الآثار فی التراجم والاخبار" کی تیسری جلد کے آغاز میں درج کیا ہے، اس صورتِ حال پر نہایت معتبر تاریخی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں[1]:

اسکندریہ پر قبضہ کرتے ہی علی الصبح بونا پارٹ نے نہایت فصیح عربی زبان میں ایک بیان جاری کیا، جو عین اسلامی روایات کے مطابق یوں شروع ہوا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، یہ اعلان فرانسیسی حکومت کی طرف سے ہے جو حریت و مساوات کے اصولوں پر قائم ہے کہ یہ اصول مصر میں بھی رائج ہوں۔ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، بجز ذہانت اور حسنِ سیرت کے۔

---

[1] عبدالرحمان الجبرتی، عجائب الآثار فی التراجم والاخبار، قاہرہ ۱۳۲۲ ہجری (۱۹۰۴ء۔۵) جلد سوم، ص ۴-۵۔

مملوک خاندان[۲] میں نہ ذہانت ہے اور نہ حُسنِ سیرت - انھیں مصر پر حکمرانی اور اس کے نیک سیرت باشندوں پر تسلط کا کوئی حق نہیں - انھوں نے دنیا کے اس افضل ترین ملک کو برباد کر دیا ہے - اس کے بڑے بڑے شہروں اور نہروں کو جن کی وجہ سے دنیا میں اس کی شہرت تھی، تباہ و برباد کر دیا ہے - فرانسیسی حکومت یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی تھی - اس کی افواج مصری عوام کو اس ظالمانہ نظام سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئی ہیں - اب ان کا اقتدار ختم ہو کر رہے گا - آج سے مصری عوام کو بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا - نئے نظام کے تحت نیک سیرت اور اہلِ علم حضرات امورِ سلطنت چلائیں گے اور امت ترقی اور خوش حالی کی طرف قدم بڑھائے گی ۔"

ایک دوسرے اعلان میں قومی جذبات کے ساتھ ساتھ مذہبی جذبات کو خاص طور پر اپیل کی گئی :

" یہ عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ میں اس ملک میں تمھارے دین کو مٹانے آیا ہوں[۳] یہ سراسر جھوٹ ہے - اسے ہرگز نہ مانو - ایسے مفتریوں سے کہہ دو کہ میں مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے آیا ہوں - میں اللہ جل شانہ کی عبادت، اس کے رسول مقبول کی عزت اور قرآن مجید کی حرمت، مملوک خاندان سے کہیں زیادہ کرتا ہوں - اے شیوخ، قضاۃ، ائمہ، عمّال اور معززینِ شہر! عوام کو بتا دیجیے کہ فرانسیسی بھی آپ کی طرح مخلص مسلمان ہیں - اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے روم پر قبضہ کر لیا ہے اور پاپائے اعظم کو تباہ کر دیا ہے - صرف اس لیے کہ وہ ہمیشہ عیسائیوں کو اسلام پر حملہ کرنے کے لیے اکساتا رہتا تھا - پھر ہم نے جزیرۂ مالٹا کا رخ کیا اور وہاں سے اس فوجی ٹولے کو جلاوطن کر دیا، جو اس عقیدے کا ماننے والا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل جنگ

---

[۲] نپولین کے وقت مصر میں مسلمانوں کا مملوک خاندان حکمران تھا - اس خاندان سے نفرت دلانے کے لیے نپولین نے یہ چال چلی -

[۳] مملوک خاندان نے نپولین کی اسلام پسندی کا پول کھولنے کے لیے مصری عوام کو فرانسیسیوں کے اصل ارادے سے متنبہ کیا، اس پر نپولین نے یہ بیان دیا -

کرتے رہنا اللہ کا فرمان ہے۔ پھر فرانسیسی ہمیشہ سے خلفائے عثمانیہ کے مخلص دوست رہے ہیں اور ان کے دشمنوں کے دشمن رہے[۴]

نپولین کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مغربی استعمار پسند مسلمان سلاطین کے بعد سب سے زیادہ اہمیت علما و خطبا کو دیتے تھے۔ اور انھیں زیر کرنے کے لیے قوت استعمال کرنے کی بجائے سیاست اور چالاکی سے کام لینا چاہتے تھے۔ شیوخ جامعہ الازہر میں سے عبدالرحمٰن الجبرتی نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ محض دجل و فریب تھا۔ مکارانہ چال اور علما و عوام کو جال میں پھنسانے کا حیلہ تھا[۵]

البرٹ حورانی کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ انہونی بات تھی کہ نپولین علما اور شیوخ کو شریکِ اقتدار بناتا، کیونکہ علما کی نظر میں ایک غیر مسلم، اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا[۶]

سیاسی تسلط کے بعد جب برعظیم پاک و ہند کے علما و خطبا اور شیوخ کو مکاری اور شعبدہ بازی سے کام لے کر برطانوی استعمار نے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی تو امتِ مسلمہ کے ان نمائندوں نے اسی فراستِ مومنانہ سے کام لیا جس کا مظاہرہ علما و شیوخِ مصر کر چکے تھے۔ عمرانیات و معاشرت کے مغربی ماہرین کی تحقیقات نے مغربی استعمار کی اس حد تک ضرور مدد کی کہ انھوں نے صحیح طور پر مسلمان سلاطین کے بعد علما و خطبا کو اپنا اصل حریف سمجھا، لیکن وہ علما کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے منصوبہ میں بُری طرح ناکام ہوئے اور اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ:

۱۔ علما و خطبا اور مدرسین مسلم قوت کے سرچشمے ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کی تعلیم اور ذہنی و فکری تربیت کے مراکز مساجد، مکاتب اور مدارس ہیں۔

۳۔ برطانیہ کی مجموعی قوت بھی کسی قانون یا فوجی طاقت کے ذریعے مسلم قوت کے سرچشموں کو ختم نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان کی تعلیم و تربیت کے مراکز مساجد اور مکاتب کو بند کر سکتی ہے۔

---

[۴] الجبرتی کتاب مذکور، جلد سوم، ص ۴ [۵] ایضاً

[۶] البرٹ حورانی، عربک تھاٹ ان دی لبرل ایج، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، (۱۹۶۲)، ص ۵۱۔

۴۔ اس صورتِ حال کا واحد حل یہ ہے کہ انھیں علیٰ حالہٖ چھوڑ کر تعلیم و تربیت کا نیا نظام رائج کر دیا جائے اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے مسلمان عوام کو مساجد و مکاتب کے بجائے برطانوی مراکز کی طرف مائل کیا جائے۔

۵۔ اس طرح نئے نظام کے تحت تعلیم و تربیت پانے والے مسلمان طلبا ابتدائً علما و خطبا کی عزت کے ساتھ ساتھ نئی طرز کے اساتذہ کی عزت و تکریم پر خود بخود مجبور ہو جائیں گے اور محض مساجد و مکاتب کو اپنی تعلیم و تربیت کے مراکز تصور کرنے کے بجائے کالج اور یونیورسٹی کی تکریم کرنے لگ جائیں گے۔

۶۔ برطانوی نظامِ تعلیم کی ترتیب، ترکیب، تنظیم اور نصاب کی تسوید و تبویب اور اساتذہ کی تقرری و تعطلی چونکہ کلیتہً برطانوی ماہرینِ تعلیم کے ہاتھ میں ہوگی اس لیے بتدریج مسلمان طلبا کو مسلم قوت کے سرچشموں اور مسلم تعلیم و تربیت کے مراکز سے متنفر کرنا آسان ہو جائے گا۔

۷۔ برطانوی نظامِ حکومت میں معیشت و روزگار کا دارومدار چونکہ کلیتہً برطانوی تعلیم کا مرہونِ منت ہوگا اس لیے اگر کسی اور مقصد کے تحت نہ سہی، صرف زندہ رہنے کے لیے ہی مسلمان طلبا کو برطانوی نظامِ تعلیم میں پروان چڑھنا پڑے گا۔ اور اس طرح معیشت کو تعلیم سے منسلک کر کے مسلمان کو آسانی سے مسجد و مکتب سے کاٹ لیا جائے گا۔

برطانوی مفکرین کے اس منصوبہ کو برِعظیم پاک و ہند میں نافذ کر دیا گیا۔ جیسے جیسے نیا نظامِ تعلیم وسعت اختیار کرتا چلا گیا، برطانوی توقعات کے عین مطابق مسلمان اپنی قوت کے سرچشموں سے کٹتے چلے گئے۔ استعمار کی یہ اسکیم اتنی کامیاب ثابت ہوئی کہ ۱۸۴۶ء میں سر ہنری ہارڈنگ کے لاہور پر قبضے اور مارچ ۱۸۴۹ء میں گورنر جنرل کے اعلان کے مطابق پنجاب کو برطانوی سلطنت میں باقاعدہ ضم کرنے کے بعد سے اب تک پاکستانی تعلیمی اداروں میں اسلامیات کا چھڑکاؤ کرنے کے باوجود صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ مساجد و مکاتب اور کالج و یونیورسٹی کے نہ صرف نصاب ہائے تعلیم میں وہی بُعد برقرار ہے بلکہ دونوں نظاموں کے اساتذہ اور طلبا کے درمیان وہی ذہنی و فکری تناؤ بھی موجود ہے۔ لارڈ میکالے کے ترتیب دیے ہوئے برطانوی نظامِ تعلیم کے اس پہلو پر بہت تنقید ہو چکی ہے کہ اس کا مقصد محض دفتری بابو پیدا کرنا تھا

لیکن اس نظامِ تعلیم کے ان مقاصد کی طرف بہت کم توجہ دی گئی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

برطانوی تعلیمی ماہرین کی سوچ کا خمیر ان مفکرین کی آرا سے اٹھا تھا جنھوں نے کلیسا کے خلاف زبردست جنگ جیتی تھی۔ مغربی نظامِ حیات، پادری اور گرجے کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں پروان چڑھا تھا۔ پادری صاحبان، خدا، انجیل اور گرجے کو یورپ میں مروج جاگیرداری پر مبنی ظالمانہ نظامِ حکومت کی تائید میں عوام کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ جب کہ یورپی مفکرین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخوت و مساوات اور حریت کے علم بردار بن چکے تھے۔ جب پادری صاحبان نے مذہب کو خود انسان کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کیا تو یورپی مفکرین کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ ایسے مذہب سے عوام کو نجات دلائیں اور ایک سیکولر طرز کے معاشرے کو معرضِ وجود میں لائیں جس میں مذہب انسان کے خلاف استعمال نہ ہونے پائے۔

یورپی تمدن کے انھیں اثرات کے تحت جب برطانیہ نے اپنا نظامِ تعلیم یہاں رائج کیا تو مسلمان طلبا میں بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہب سے بیزاری کے رجحانات پیدا ہونا لازمی تھا۔ حالانکہ فی الواقع دونوں تمدنوں کے اصولوں میں بنیادی فرق تھا۔ بقول سید جمال الدین افغانی یورپ کی ترقی کا راز عیسائیت سے بغاوت میں مضمر ہے جب کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام سے انحراف ہے[۵]۔

برطانوی سامراج جب اپنی سائنسی و تکنیکی ترقی اور فوجی و اقتصادی قوت کے باوجود ہماری قوت کے سرچشموں اور ہماری تعلیم و تربیت کے مراکز کو زیر نہ کر سکا تو اس نے بظاہر سود مند لیکن انتہائی ترقی یافتہ اور مہذب ہتھیار نظامِ تعلیم استعمال کیا اور مسلمان بخوشی اس جال میں پھنستے چلے گئے۔

اس وقت یہ دونوں نظامِ تعلیم ہمارے ہاں رائج ہیں۔ دونوں اپنے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں اور مختلف ذہن پیدا کر رہے ہیں۔ نقطۂ نظر کا یہ اختلاف

---

۵ سید جمال الدین افغانی، العروۃ الوثقیٰ، جلد اول ص ۹۹

ہماری ذہنی ونفسیاتی کشمکش، معاشرتی وسیاسی انتشار، اقتصادی وقانونی فساد کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ان دو متضاد اور خود مختار نظامہائے تعلیم کی موجودگی میں کسی متحدہ قومی نقطۂ نظر کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی اور ایسے بہت سے معاشرتی اور اقتصادی قوانین کی مدرسہ کی طرف سے شدید مذمت ہو چکی ہے۔

مسلسل نظریاتی اختلاف وتصادم نے قوم کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ایک ڈاکٹر سرکاری ملازمت کی وجہ سے حکومت کی نافذ کردہ خاندانی منصوبہ بندی اسکیم پہ دن رات عمل کرتا ہے لیکن دوسری طرف منصوبہ بندی کے خلاف فتوے کے باعث وہ اپنی مذہبی وابستگی کی بنا پہ اس اسکیم سے نفرت بھی کرتا ہے۔ اسی طرح بنکوں، انشورنس کمپنیوں اور دوسرے تجارتی واقتصادی اداروں کے ملازمین کے دل ودماغ بھی دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک طرف وہ روٹی کے لیے ملازمت کرتے ہیں اور اس کی ذمہ داریاں نباہتے ہیں اور دوسری طرف دل ہی دل میں اپنی ملازمت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے معاشرہ میں اضطراب و بے چینی کے سوا اور کس چیز کو فروغ حاصل ہوگا؟

دونوں نظام ہائے تعلیم کی موجودگی میں یونیورسٹی کے نظام ونصاب میں کوئی اصلاح، اساتذہ کے عہدے اور ان کی فلاح کے لیے بہتر وعدے اور تعلیمی پالیسیوں کی ترتیبِ نو فکری نقطۂ نظر سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں گے جب تک کہ قرآن وسنت کو محور مان کر یونیورسٹی کے نصاب کو از سرِ نو تشکیل نہیں دیا جاتا اور جب تک دینی اور برطانوی نظاموں کے طلبا یک جا تعلیم حاصل نہیں کرتے، نظریاتی اتحاد اور قومی نقطۂ نظر کا پیدا ہونا محال ہے۔

یہ عام نظریہ کہ جدید تعلیم کے فروغ سے نظامِ مدرسہ خود بخود مٹ جائے گا حقیقت پہ مبنی نہیں۔ مغربی سامراج اس میں بری طرح ناکام ہوا ہے اور مستقبل کی ہر کوشش ناکام ہوگی۔ ہمارے سامنے عہدِ حاضر کی دو مثالیں موجود ہیں۔ ایک یورپ و امریکہ کی اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کی۔ یورپ نے صدیوں کی کشمکش کے بعد اس مسئلے کا حل یہ سوچا کہ دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا۔ کمیونسٹ دنیا نے سرے سے دین ہی کو ختم کر دیا۔ پاکستان کے لیے نہ یورپ کی مثال کوئی اسوۂ حسنہ پیش کرتی ہے اور نہ کمیونسٹ دنیا کی۔ ہمیں اپنے مخصوص حالات کی بنا پہ

اپنا مسئلہ خود ہی حل کرنا ہوگا اور اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ہم اسلامی علوم اور جدید علوم کو سامنے رکھ کر اپنے اسلاف کی طرح ایک جامع نظام تعلیم مرتب کریں۔

برطانوی استعمار نے متوازی نظام تعلیم رائج کر کے ہمارے علما سے مساجد و مکاتب میں مسلمان طلبا کی تعلیم و تربیت کا حق چھین لیا۔ اور علما اور طلبا کے درمیان اپنے نظام تعلیم کی خلیج حائل کر کے علما کے وقار اور مقام کو سخت نقصان پہنچایا۔

محکمہ اوقاف پنجاب نے ائمہ، خطبا اور علما کے دینی وقار اور روایتی مقام کو پوری پوری اہمیت دی اور اس سلسلے میں کئی اقدامات کیے۔ اس وقت پنجاب کے محکمہ اوقاف نے وزیر اوقاف کی ہدایت کے مطابق تمام ائمہ و خطبا اور علما کو نیشنل پے اسکیل دے دیے ہیں۔ اس فیصلے کی وجہ سے اوقاف کے ائمہ و خطبا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سرکاری ملازمین کی طرح تمام مراعات کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اقتصادی مسئلہ انسان کی عزت نفس پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے اور ہم سب اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ملک میں مساجد و مدارس کے ائمہ اور مدرسین کی اقتصادی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ یہ فیصلہ محکمہ اوقاف کے ائمہ و خطبا کے حق میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ اب صوبائی خطیب اور ضلعی خطبا جب اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مختلف مقامات پر جاتے ہیں تو سرکاری ملازمین کی طرح یومیہ اور سفری الاؤنس حاصل کرتے ہیں۔ ۳۵ روپے ماہوار کا مہنگائی الاؤنس جو ابھی حکومت نے اپنے ملازمین کو دیا ہے، اوقاف کے ائمہ و خطبا کو دیا جا رہا ہے اور طبی اور رہائشی الاؤنس کی سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔ چوہدری ممتاز احمد کاہلوں صاحب کا یہ کارنامہ یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے دیگر ملازمین اوقاف کی طرح تمام ائمہ و خطبا کے بچوں کو بھی وظائف دینے کی ایک اسکیم جاری کی ہے۔

علما اکیڈمی کا قیام بھی اس سلسلے کی ایک نہایت اہم کڑی ہے۔ صحیح دینی قیادت اور معاشرتی و اقتصادی مسائل پر علمی و تحقیقی خطبات و مواعظ کے لیے یہ ضروری تصور کیا گیا کہ علما کو جدید علوم حاصل کرنے کی سہولت بھی فراہم کی جائے اور اسی احساس کے پیش نظر اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔

اس ادارے میں قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ پر ملک کے جید علما لیکچر دینے تشریف لاتے

ہیں اور جدید معلومات و تحقیقات کو مدنظر رکھتے ہوئے دورِ حاضر میں اسلام کی عالمی قیادت کی وضاحت فرماتے ہیں۔ اسلامی علوم کو جدید انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خود جدید علوم، اقتصادیات، سیاسیات، نفسیات، فلسفہ وغیرہ کے مبادیات سے تعارف کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور ملک کے نامور ماہرینِ فن کا تعاون حاصل کرکے ان مضامین کے بنیادی اصول پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طرح اس درس گاہ میں ایک ہی وقت میں اسلامی علوم اور جدید علوم کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور شرکائے نصاب کے لیے یہ موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ دینی اور دنیوی علوم کا بیک وقت مطالعہ کریں۔ نصاب کی تیاری میں بڑی عرق ریزی سے کام لینا پڑتا ہے۔ علمائے کرام کے ہر طبقہ سے تعاون اور مشورہ حاصل کرکے یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ان کے رفقائے کار سے مشاورت کی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ملک کے ہر مسلک کے جید علما نے بڑھ چڑھ کر تعاون فرمایا اور یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان نے بھی ٹھوس تجاویز مرتب کرنے میں رہنمائی فرمائی۔

مجوزہ نصاب پر لیکچروں کے علاوہ شرکائے کورس علما کو بحث مباحثہ کے لیے کافی وقت دیا جاتا ہے تاکہ وہ مسائلِ حاضرہ پر مدرسہ اور یونیورسٹی کے ماہرین کی آرا سے پوری طرح استفادہ کرسکیں۔

دینی مدارس میں تصنیف و تالیف کی تیاری پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ مگر اکیڈمی کے نصاب میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ پڑھائے جانے والے مضامین میں سے چند ایک پر علمی و تحقیقی مقالات لکھوائے جائیں۔ چنانچہ علما اور پروفیسر صاحبان کی رہنمائی اور نگرانی میں جدید طریقِ تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے چند عنوانات پر مقالات لکھوائے جاتے ہیں اور اس طرح علما کو وعظ و خطبہ کی مشق کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

علم و تحقیق میں سہولت کے لیے ایک بڑی جامع اور خود کفیل لائبریری بھی موجود ہے جس میں قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، فلسفہ، تصوف وغیرہ اسلامی علوم کی بنیادی کتابیں اور مختلف زبانوں میں بڑی بڑی قاموسیں جمع کی گئی ہیں اور خرید و ہدیہ دونوں طرح سے اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لائبریری ایئرکنڈیشنڈ ہے اور یہاں بیٹھنے اور مطالعہ کرنے کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔

تربیتی نصاب کے اختتام پر مطالعاتی دورے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کے تحت سائنس و

ٹیکنالوجی کی ایجادات دکھائی جاتی ہیں۔ کارخانوں، فیکٹریوں، رصدگاہوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کی مشینری اور اس کی کارکردگی سے متعارف کیا جاتا ہے۔ علما اکیڈمی ایک رہائشی درس گاہ ہے۔ شرکائے نصاب علما کی رہائش اور خوراک کا معقول انتظام موجود ہے۔ رہائش کے لیے صاف ستھرے ہوادار کمروں کے ساتھ جدید طرز کے غسل خانے بھی ہیں۔

علما اکیڈمی کی کارکردگی اور تربیتی کورس کے قیام سے نہایت مفید اور تعمیری نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ محکمہ اوقاف پنجاب کی یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جو پوری طرح مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کے تمام مسلکوں کا اپنا ادارہ ہے۔ ہر مسلک کا عالم اسے اسی طرح اپنا سمجھتا ہے جس طرح کسی دوسرے مسلک کا عالم۔ ملک میں ایسے ادارے کا وجود قومی یکجہتی، اسلامی محبت و اخوت اور دینی رواداری و یگانگت کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے علما تین ماہ تک ایک ہی کلاس روم میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور اخوت کے جذبات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور وہ کم از کم تین مہینے تک اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ مخالف مسلک کے خلاف اول تو کوئی ایسی بات ہی نہ کریں جو اس کے ماننے والے کی دل شکنی کا باعث ہو اور اگر بدوران گفتگو ایسی کوئی ضروری بات کرنی ہی ہو تو ایسے علمی انداز میں پیش کریں جس سے دوسرے کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

علما اکیڈمی میں تربیتی کورس کا یہ مختصر سا تعارف ہے۔ اس ادارے کا نام اگرچہ علما اکیڈمی ہے لیکن اس کے ڈائرکٹر کے فرائض میں اب بے انتہا اضافہ ہو چکا ہے۔ وزیر اوقاف پنجاب جناب چوہدری ممتاز احمد کاہلوں صاحب نے شروع ہی میں اپنی مشاورت اور اب وزارت کے دوران میں یہ محسوس فرمایا کہ محکمہ اوقاف کے تعلیمی، تبلیغی، مطبوعاتی اور تربیتی ادارے مختلف ڈائریکٹروں کی زیرنگرانی مطلوبہ نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں اور ان پر بے انتہا اخراجات ہو رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے ان سب اداروں کو یکجا کرنے کا فیصلہ کیا اور اب تعلیم، تبلیغ، مطبوعات اور تربیت کے سب محکمے علما اکیڈمی کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان منتشر اداروں کی تنظیم نو بذات خود ایک بہت بڑا کام تھا جس پر بے انتہا محنت و شفقت کی ضرورت تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے علما اکیڈمی کے جملہ شعبہ جات اب ایک واضح نصب العین کے تحت مصروف کار ہیں۔